حیرت ہے کہ اِس صدی کے "خود ساختہ مجدّدِ دین" جو ایسے اولوالعزم اربابِ ہمت صدق پر کیچڑ اُچھالتے ہیں، وہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ امام ربانی نے امّت کے "روگ" کو پوری طرح سمجھا نہ علاج کیا بلکہ جس غذا سے پرہیز کرانے کی ضرورت تھی وہی پھر کھلادی۔ آہ یہ ستم ظریفی اور احسان فراموشی!

حدیث تجدیدِ اُمّت پر ایک نظر

اب جبکہ حضرت مجدّد صاحب کی پوری زندگی کا حقیقی جوہر اور منقبتِ اصلی سامنے آگئی۔ ضرورت ہے کہ مختصراً "حدیثِ بعثت مجدد دین" پر فنی اعتبار سے ایک نظر ڈال لی جائے۔

حدیث بالا ابوداؤد اور طبرانی میں ہے، محدّث نبیل ملّا علی القاری الحنفی رح شرح مشکواۃ میں فرماتے ہیں کہ

"اِس حدیث کو ابوداؤد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے اور اِس کے جملہ راوی ثقہ ہیں، ایسے ہی امام حاکم رح نے اس کی تصحیح کی ہے"
(مرقات صـ۲۴۸ ج ۱)

نیز کنز العمال سے پتہ چلتا ہے (ج ۶ صـ۲۳۸) کہ اس حدیث کو امام بیہقی رح نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اِس کے علاوہ ابونعیمؒ نے "حلیۃ الاولیاء" میں امام بزار رحؒ اور حسن رح نے اپنے اپنے مسانید میں اُبن عدی رح نے "کامل" میں روایت کیا ہے (مجموعۃ الفتاوی صـ ۱۵۱ ج ۲) دیگر ائمہ حدیث نے بھی تصحیح کی ہے۔ (مرقات الصعود للسیوطی رح)

نیز اِس موقعہ پر یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدّد پر انحصار غلط ہے بلکہ ایک صدی میں کئی مجدّد ہو سکتے ہیں اور مختلف علوم وفنون کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہونا بھی کوئی بعید نہیں، اِس مسئلہ کی زیادہ تفصیل امام الہند فیلسوف اسلام حضرت حکیم الامت الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں میں ملے گی۔ نیز مولانا عبدالحئی لکھنوی رح نے "مجموعۃ الفتاویٰ" (صـ۱۵۲ ج ۲) میں "مرقات الصعود" اور ملّا علی القاری رح نے "مرقات" میں وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے، بخوفِ طوالت صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

مشہور محدث اور فقیہ اور دسویں صدی ہجری کے ایک مجدد ملا علی القاری الحنفی فرماتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک تجدید کرنے والے سے صرف ایک شخص مراد نہیں، بلکہ ایک جماعت مراد ہے جو تجدید کرے گی اور یہ جماعت مختلف بلاد اور مختلف فنون و علوم شرعیہ میں ہوگی، جو جس کے لیے زیادہ آسان ہے، اس میں مفتی، مناظر، مدرس، مؤلف، مصنف وغیرہ سب شامل ہیں بشرطیکہ ان کا مقصد، حمایت دین، احیاءِ سنت، الحاد بدعت اور احقاق حق کی شرائط پوری ہوں" (مرقات ص۲۴۸ ج ۱)

ہم نے مختصراً اس مسئلہ کی وضاحت کر دی، تفصیلات کے طالب کتب متداولہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

ان ابتدائی مقدمات کے بعد ہم "رئیس المجددین" "حامی السنۃ" "قامع البدعۃ" "قطب وقت" "جامع الشریعۃ والطریقۃ" "وارث کمالات نبوت" ابو البرکات بدر الدین سیدنا حضرت الشیخ احمد الفاروقی سرہندی معروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ وقدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز زادہ برہ تعالیٰ مضجعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس بطلِ حریت حامل لوائے شریعت کی مبارک و مسعود زندگی کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ ع

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا (جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد
کی
جامع تصنیف
نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت
کا مطالعہ کیجیے
سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○
مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

علامہ فضلِ حق خیر آبادی

(آخری قسط)

حکیم محمود احمد برکاتی

جہادِ حریت

علامہ ایک مدرس تھے، مصنف تھے، منصف تھے اور حاکم تھے، متکلم تھے، منطقی تھے، عربی زبان کے ادیب و شاعر تھے، ان کے ساتھ ہی وہ ایک مدبر سیاسی اور مجاہدِ حریت بھی تھے اور اس میدان میں بھی وہ نمایاں ہی رہے۔ اپنے بہت سے ہم قدم اور ہم سفر رفقا سے ممتاز ہی رہے اور پھر اس کا صلہ بھی پایا۔ حکامِ فرنگ نے انہیں گرفتار کر لیا اور چوں کہ وہ "خطرناک ترین آدمی" تھے "جو کسی وقت بھی (فرنگی حکومت کو) بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اس لیے ایسے شخص کو سخت ترین سزا دینا چاہیے اور اسے خاص طور سے ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیے۔"

(فیصلہ)

فرنگی حاکم کا یہ فیصلہ علامہ کی عظمت و مقام کا واضح اعتراف اور ثبوت ہے۔

علامہ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنے والد ماجد کے حکم سے اور اپنی مرضی کے علی الرغم کمپنی کی ملازمت سے کیا اور ان کے مکاتیب سے ظاہر ہے کہ وہ بادلِ ناخواستہ یہ ملازمت کرتے رہے اور چاہتے رہے کہ والد ترکِ ملازمت کی اجازت دے دیں لیکن اجازت نہیں ملی۔ مگر والد کی وفات (۱۸۲۹ء) کے بعد ۱۸۳۱ء میں کمپنی کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور ملک کی متعدد ریاستوں میں اعلیٰ مناصب پر حسنِ انتظام کے جوہر دکھاتے رہے مگر ملک پر بتدریج بڑھتے ہوئے غیر ملکی تسلط اور ملک کے باشندوں کی بے روزگاری، معاشی خستہ حالی اور طرح طرح کی شہری مشکلات کو دیکھ کر کڑھتے اور سوچتے رہتے تھے اور ان کے ازالے کے لیے کوشاں

بھی رہتے تھے، جس کا اندازہ علاّمہ کی تحریر کردہ اس درخواست سے ہوتا ہے، جو انہوں نے ساکنانِ دہلی کی طرف سے اکبر شاہ ثانی کے نام ۱۸۲۷ء سے پہلے کسی سن میں لکھی تھی اور تفصیل کے ساتھ تجارت، زراعت، حرفت، زمین داری اور سرکاری دفتر میں اہلِ دہلی کی مشکلات اور ان کے اسباب کا جائزہ لیا ہے، خاص بات یہ ہے کہ دہلی پر ۱۸۰۳ء سے انگریزوں کا تسلّط ہو چکا تھا اور لال قلعے کے مغل بادشاہ کمپنی کے وظیفہ خوار اور بے اقتدار تھے مگر درخواست کمپنی کے ریذیڈنٹ کے نام نہیں (جو با اختیار اور دراصل حاکم تھا) بلکہ اکبر شاہ ثانی کے نام ہے، اس میں کئی سیاسی اور نفسیاتی منافع و مصالح تھے،

علاّمہ کمپنی کے تسلّط کے صرف اس لیے خلاف نہیں تھے کہ وہ برطانوی اور غیر ملکی کمپنی ہے بلکہ اس لیے خلاف تھے کہ وہ نصاریٰ ہیں اور اہلِ ہند کو بھی نصرانی بنا لینے کے عزائم رکھتے ہیں اور ان عزائم کے لیے مسلسل اقدامات کر رہے ہیں۔ جدید تعلیمی نظام رائج کر کے وہ اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں، ساتھ ہی وہ ختنہ اور پردہ کے رواج کو ختم کرنے کے درپے ہیں، علاّمہ کی طرح ملک کے مختلف گوشوں میں دوسرے اہلِ دل اور اربابِ نظر بھی یہ مناظر دیکھ رہے تھے اور فرنگی تسلّط کے خلاف جہاد کی تیاریاں جاری تھیں۔ ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔ مشورے کیے جا رہے تھے۔ بالآخر منصوبہ تیار کر لیا گیا اور مئی کا مہینہ طے کر لیا گیا۔ چنانچہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو جہاد کا آغاز ہو گیا۔ اور میرٹھ کی چھاؤنی سے انگریزی فوج کے مقامی سپاہیوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور دہلی پہنچ گئے۔ باغی فوجیوں اور انگریزی فوج میں معرکہ گرم ہو گیا۔ میرٹھ کے علاوہ ملک کے دوسرے حصّوں سے بھی مجاہدین دہلی پہنچ گئے اور سب نے مل کر انگریزوں کو دہلی سے نکال باہر کیا اور ایک بار پھر لال قلعہ مرکزِ حکومت بن گیا، علاّمہ اگرچہ اُس زمانے میں ریاست الور سے ملازم معاش کا تعلق رکھتے جو دہلی سے صرف اسّی میل دُور ہے۔ مگر ہنگامے کے آغاز کے وقت غالباً دہلی ہی میں تھے (کیونکہ ہنگامہ ۱۰ مئی / ۱۶ رمضان کو شروع ہوا تھا اور علاّمہ کے اہل و عیال دہلی میں بس رہتے تھے اس لیے رمضان عموماً اہل و عیال کے ساتھ گزارے جاتے تھے) یا پھر وہ معرکہ کی ابتدا ہی میں دہلی پہنچ گئے تھے جبکہ ڈاکٹر مہدی حسین کا قول ہے۔ دہلی علاّمہ کا

وطن ثانی تھا۔ گھر دہلی میں تھا۔ ان کا بیشتر حلقۂ احباب ان کے غالب ان کے آزردہ دہلی میں تھے۔ لال قلعے سے خصوصاً موجودہ تخت نشین بہادر شاہ ظفر سے ان کے دیرینہ مراسم تھے، غرض دہلی اور اہلِ دہلی ان کے لیے اجنبی نہیں تھے، جانے پہچانے تھے پھر بھی انہوں نے جائزہ لیا تو محسوس ہُوا کہ:

بادشاہ سن رسیدہ، ضعیف الرائے، ناآزمودہ کار، نیک و بد کی تمیز سے عاری ملکہ اور وزیر کے اشاروں پر قدم اٹھانے والا ہے۔

وزیر (حکیم احسن اللہ خاں) اصل اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ انگریزوں کا ہوا خواہ ہے۔

شاہی خاندان کے افراد، فسق و فجور میں مبتلا، عیش کوشی و اسراف کے عادی، اور خود رائے ہیں۔ انہی میں سے ایک کو بادشاہ نے افواج کا سپہ سالار بنا دیا ہے ـــــ حال آں کہ وہ بزدل، خائن، بے عقل اور ناعاقبت اندیش ہے۔

میرٹھ اور اطراف ملک سے آئی ہوئی فوج کے متعدد گروہ ہیں۔ بعض دستوں کا کوئی سربراہ ہی نہیں ہے۔ بعض لوگ قیام و طعام کی سہولتوں سے محروم اور اس کے نتیجے میں بد دل اور کم زور ہو گئے ہیں، بعض لوگ پہلے مرحلے میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس کو غنیمت سمجھ کر بیٹھ گئے۔ صرف ایک حصّہ فوجِ نصاریٰ کے سامنے صف آرا اور سرگرم پیکار ہے۔

ہندو آبادی کا بیشتر حصّہ انگریزوں کا حامی ہے اور وہ اپنے سرمائے اور افرادی طاقت سے انگریزوں سے تعاون کر رہے ہیں۔

مسلمانانِ دہلی میں سے ایک گروہ جہاد میں حصّہ لے رہا ہے مگر ایک گروہ انگریزوں کا نمک خوار اور وفادار ہے وہ مجاہدین کو ذلیل و رسوا کرنے اور ان کے راستے میں مشکلات پیدا کرنے میں مصروف ہے۔

اِس جائزے کے ساتھ علامہ بہادر شاہ ظفر سے ملے جو اِن پر پہلے سے اعتماد کرتے تھے اور ان کی اصابتِ رائے اور اخلاص و دردمندی پر یقین رکھتے تھے چنانچہ علامہ نے شاہ کو چند مشورے اپنے اِس جائزے کے پیشِ نظر دیئے۔

(۱) مجاہدین کی اعانت، رقم اور سامانِ رسد سے

(۲) کارِ رواں اور اہلِ حکام کا تقرّر
(۳) مال گذاری کی تحصیل کا انتظام
(۴) ہم سایہ والیانِ ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کی دعوت۔

چنانچہ شاہ نے حکم دیا کہ علامہ کی تمام ہدایات پر عمل کیا جائے اور ایسا ہی ہُوا شاہ کے حکم سے، حکام براہِ راست علامہ سے ہدایات حاصل کرتے اور ان پر عمل کرتے۔ علامہ نے اوّلین اہمیت شہر میں قیامِ امن کو دی اور دہلی کا گورنر علامہ نے اپنے ایک عزیز میر نواب کو مقرر کیا، پھر خصوصی اہمیت ان کی نظر میں مجاہدین کی اعانت کے لیے رقم کی فراہمی کی تھی۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے اوّلاً مال گذاری کی تحصیل کے نظام کو باقاعدہ بنایا اور چند نئے تقرر کیے اور بقول حکیم احسن اللہ خاں" مولوی فضل حق نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلعے دار کی نیابت میں مقرر کیا۔ ثانیاً اطراف دہلی کے والیانِ ریاست کو خطوط لکھوائے کہ وہ جنگ آزادی میں شرکت کریں اور مالی اعانت کریں۔

علامہ نے صرف حال ہی کی اصلاح پر توجہ مرکوز نہیں رکھی، مستقبل کی طرف بھی توجہ دی اور اس معرکے کے شباب میں آپ نے جہادِ حریت کے کامیاب ہو جانے اور ملک کے غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو جانے کے بعد، آزاد ہندوستان کے نظامِ حکومت کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنایا اور اس کے نتیجے میں ایک "دستور العمل سلطنت" ترتیب دیا جس میں شخصی حکومت اور نااہل مغل فرمانروا کو شاہنشاہ کے بجائے ایک دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت کا سربراہ بنانے کی تجویز رکھی جس میں شاہ کے اختیارات کم سے کم ہوں اور شہریوں کو بھی حکومت میں شرکت کا موقع ملے، اس دستور کو مؤرخ نے بجا طور پر ایک " جمہوریت اساس دستور" — " A CONSTITUTION BASED ON — PRINCIPLES OF DEMOCRACY " لکھا ہے۔ مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے کہ یہ دستور جزوی طور پر نافذ بھی ہو گیا تھا۔ اس دستور کی بنیاد پر ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی تھی جو دس ارکان پر مشتمل تھی۔ ان میں سے چھ فوج کے نمائندے تھے اور چار شہری۔ ان شہری ارکان میں سے ایک علامہ بھی تھے۔ اِس مجلس کا نام " ایڈمنسٹریشن کورٹ یعنی جلسہ انتظام ملکی و فوجی" رکھا گیا تھا اور جسے مختصراً صرف کورٹ بھی کہا اور لکھا جاتا تھا۔ اس کے باقاعدہ قواعد و ضوابط مرتب کیے گئے تھے اور حسنِ

اتفاق سے محفوظ بھی ہیں۔ یہ قواعد اردو میں ہیں اور اس موضوع پر غالباً پہلی اردو تحریر ہے۔ اس میں مجلس کے بجائے جلسہ، ووٹ کے بجائے رائے اور سیکرٹری کے بجائے سکرٹری اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں،

اسی دوران ایک اور اہم کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جسے کنگ کونسل کہا گیا ہے۔ اس کے صرف تین رکن تھے، ان میں سے ایک علامہ تھے۔ دوسرے مجاہدین کے سربراہ مولوی سرفراز علی، تیسرے مجاہدین کی فوج کے سپہ سالار جنرل بخت خاں، کنگ کونسل کے بجائے اسے پریوی کونسل بھی کہا گیا ہے۔

علامہ ادھر ان اہم مجالس کے رکن رکین تھے ادھر عملی سرگرمیوں میں بھی منہمک تھے۔ عوام کو اپنے مواعظ اور فتووں کے ذریعے اور خواص اور فوجیوں کو اپنی گفتگوؤں سے مسلسل بیدار، سرگرم عمل اور معرکہ آرا ہونے کی ترغیب دے رہے تھے چنانچہ اس دور کا ایک اخبار نویس (مخبر) انگریز حکام کے نام اپنے ایک مراسلے میں لکھتا ہے:

" مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے مسلسل عوام کو بھڑکا رہے ہیں۔ "

ایک اور مخبر نے لکھا کہ:

" علامہ فوجیوں اور شہریوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں مسلسل مصروف ہیں۔"

ایک اور مخبر نے رپورٹ دی:

" مولوی فضل حق کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر ہو کر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں اور سبزی منڈی کے پل والے محاذ پر صف آرا ہیں"

یہی نہیں کہ دوسروں کو جہاد کی ترغیب دی بلکہ خود بھی جہاد میں عملاً حصہ لیا۔ اور شاہی فوج کی کمان کی۔ ڈاکٹر مہدی حسن لکھتے ہیں:

" اگر جیون لال (انگریزوں کے جاسوس) کے بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے۔"

افسوس ہے کہ اہل وطن کا یہ جہاد حریت ناکام رہا۔ ابتدا میں نمایاں کامیابی رہی۔ اور دہلی پر مجاہدین کا اقتدار ہو گیا تھا اور انگریز فوج اور حکام دہلی بدر کر دیے گئے

تھے مگر مقصد و اسباب کی بنا پر یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔ اور انگریزی فوجیں پھر دہلی کی طرف بڑھیں اور بالآخر ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو اس پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو گیا اور مجاہدین اور ان کے قائدین کے لیے اب دہلی کی زمین تنگ ہو گئی اور جو قائدین جہاد اور خواص انگریز حکام کے ہاتھ آ گئے ان کو پھانسی دے دی گئی اور جو حضرات کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوئے انہوں نے دہلی سے نکل کر اودھ کا رُخ کیا، جہاں ابھی تک معرکہ گرم تھا۔ اس طرح یہ حضرات ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر منتقل ہو گئے اور جہاد جاری رہا۔

اودھ میں واجد علی شاہ کی حکومت کو ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے ختم کر کے اودھ کا الحاق کمپنی سے کر لیا تھا اور واجد علی شاہ مٹیا برج میں نظر بند تھے۔ اب دہلی میں یہ معرکہ برپا ہوا تو اودھ کے وطن دوست اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل کی قیادت میں منظم ہو کر سرگرم جہاد تھے۔

شاہزادے مرزا برجیس قدر کو تخت نشین کیا تھا اور دہلی کو پھر مرکز سلطنت تسلیم کر کے اس سے اپنا رشتہ اتحاد استوار کیا تھا۔ علامہ نے اودھ پہنچ کر حضرت محل سے تعاون کا فیصلہ کیا اور مجاہدین اودھ کو اپنی مدبرانہ و قائدانہ صلاحیتوں سے مستفید فرمانے لگے۔ بیگم حضرت محل کی فوج کے لیے ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی گئی تھی جس کو پارلیمنٹ اور اربابِ شوریٰ کہا جاتا تھا۔ علامہ اس کے بھی ایک ممتاز اور خصوصی رکن تھے۔ یہ فوج جن ہٹ، لکھنؤ، سیتا پور، بوندی میں ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل انگریزی فوج سے معرکہ آرا رہی۔ آخری معرکہ بوندی میں ہوا۔

اِس محاذ پر بھی فتح و نصرت ہمارے لیے مقدر نہیں تھی۔ اہل وطن کی ناکامی مقدر ہو چکی تھی۔ وہ تمام حالات و عوامل مفقود تھے جو کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں اور وہ تمام اسباب موجود تھے جن کی موجودگی میں کامیابی کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ یہ محاذ بھی اجڑ گیا۔ فوج بکھر گئی۔ کچھ قائدین نے نیپال میں پناہ لی۔ کسی نے حجاز کی طرف ہجرت کی، کوئی سرحد کی طرف نکل گیا۔ علامہ خیرآباد چلے آئے اور جب ملکہ وکٹوریہ نے نومبر ۱۸۵۸ء میں اعلان معافی شائع کیا تو علامہ نے اس کاذب کے وعدے پر اعتماد کر کے خود کو حکامِ فرنگ کے سامنے پیش کر دیا جنہوں نے